خاکسار تحریک اور ن۔ م۔ راشد

احمد ندیم قاسمی

یہ آج سے کم و بیش چالیس برس کا ذکر ہے۔ میں نے راولپنڈی کی جامع مسجد میں مسلمانوں کا اتنا بڑا ہجوم دیکھا کہ اس وقت تک میرے لئے اتنے بڑے ہجوم کا تصور بھی محال تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ آج اس اجتماع سے حضرت علامہ مشرقی خطاب فرمائیں گے۔ میں حضرت علامہ مشرقی کے نام سے متعارف تھا اور خاکسار تحریک اور خاکی وردی اور بیلچے اور چپ راست سے بھی بے خبر نہیں تھا۔ مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ حضرت علامہ مشرقی کی تحریک اتنی ہمہ گیر ہوچکی ہے۔ مسجد سے باہر سڑک پرمیں نے علامہ کی تقریرسننے کی کوشش کی مگر بازار کا ہنگامہ بار بار حائل ہو جاتا۔ اس لئے میں نے مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کا توانائی بخش تصورسمیٹا اور وہاں سے چلا آیا۔ پھر چند ہی برس بعد جب میں اپنے گاؤں میں تھا میری ملاقات ایک خاکسار سے ہوئی ۔ یہ سن کرکہ میں اپنے گاؤں میں مقیم ہوں وہ چند میل کا فاصلہ پیدل طے کرکے میرے ہاں تشریف لائے۔ گرمیوں کا موسم تھا اس لئے میں پانی کا انتظام کرنے کو اٹھا۔ وہ میرا ارادہ بھانپ گئے اور بولے:

’’پیاس تومجھے ہے مگرمیں آپ کو پہلے ہی بتا دوں کہ اگر آپ نے شربت پلایا توآپ کو میری طرف سے ایک آنہ قبول کرنا ہوگا اور اگر سادہ پانی پلائیں گے توبھی اس علاقے میں پانی اتنی مشکل سے فراہم ہوتا ہے کہ میں یہ پانی مفت نہیں پیوں گا۔ آپ کواس کے ایک دو پیسے لینے ہوں گے‘‘۔

میں نے یہ سنا تودم بخود رہ گیا۔ مہمان نوازی کی صدیوں کی روایات پر اس کاری ضرب نے مجھے چکرا ڈالا میں نے عرض کیا، ’’اگرمیں آپ کوپانی پلانے کے دام وصول کروں تویہ میرے لئے باعث شرم ہے۔‘‘

وہ بولے، ’’اوراگرمیں دام ادا کئے بغیر پانی پیوں توان احکام کی خلاف ورزی کے مترادف ہے جوحضرت علامہ مشرقی نے ہم خاکساروں کے نام جاری فرمائے ہیں۔‘‘

میں نے کہا ’’مگرمیں پانی کے دام وصول کرنے سے معذرت چاہتا ہوں‘‘۔

حضرت علامہ مشرقی کے ان احکام کے پیچھے یقینا کوئی فلسفہ کار فرما ہوگا۔ مگراس وقت یہ فلسفہ میرے لئے قطعی طور پر ناقابل فہم تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے

کہ میرے یہ مہمان عزیز اردو کے نامور شاعر ،ن۔م۔راشد تھے۔ ان دنوں راشد کے والد سرگودھا کے ڈسڑکٹ انسپکٹر آف اسکولز تھے اور ہمارے پہاڑی علاقے میں مقیم تھے جہاں کی آب وہوا میدانوں کے مقابلے میں معتدل ہوتی ہے۔ یہ واقعہ خاکسارتحریک سے میری ابتدائی ”ڈس الوژنمنٹ“ کا ایک بہت بڑا سبب تھا۔

حضرت علامہ مشرقی کا سامنا

بعد میں جب میں نے حضرت علامہ مشرقی کے خطبات کا مطالعہ کیا تواگرچہ میں ان میں قوت اورحشمت اورخدمت اورحرکت اورتوانائی کے پیغام سے متاثر ہوا۔ مگرعلامہ نے جہاں بھی مسلمانوں کے زوال کے سبب اورثبوت کی نشاندہی فرمائی‘ شاعروں اورادیبوں کو بھی ساتھ ہی دھرلیا۔ میں یہ سب کچھ پڑھتا تھا تو ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے بے قرار ہو جاتا تھا۔ دراصل میں بھی اپنے فنی نقطہ نظر کو قوت اور حشمت اور خدمت اور حرکت اور توانائی سے عبارت سمجھتا تھا اس لئے دوسرے زوال پسند گروہوں میں اہل قلم کی شمولیت کوعلامہ کی زیادتی پرمحمول کرتا تھا۔ پھر آج سے کوئی 32سال پہلے جب میں ”پھول“ اور ”تہذیب نسواں“ کا ایڈیٹر تھا میں نے اچھرہ میں ایک مکان کرائے پر لیا۔ ایک روز گھر سے نکلا تو چند ہی قدم کے فاصلے پر ایک اور مکان کے دروازے میں مجھے ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ جس کی صورت حضرت علامہ مشرقی کی تصویروں سے بہت مشابہہ تھی میں نے محلہ کے ایک دکاندار سے اس شخص کا نام پوچھا تومعلوم ہوا کہ یہی علامہ مشرقی ہیں اور یہی ان کا رہائشی مکان ہے کچھ عجیب سا احساس ہوا کہ میں اتنی مشہور و معروف شخصیت کا پڑوسی ہوں اس شخص کی عظمت مجھ پر بعد میں واضح ہوئی فی الحال میں ان کی صرف شہرت سے مرعوب تھا۔

چند روز بعد لاہور میں زبردست بارش ہوئی میں دفتر سے گھر لوٹ رہا تھا ۔ علامہ صاحب کے مکان کے سامنے سے گذار تو ایک مسلمانہ آواز آئی۔ ”اے نوجوان! ادھرآؤ۔ میرے گھرمیں پانی گھس آیا ہے اسے باہر نکالنے میں میری مدد کرو!“۔ علامہ صاحب کا لہجہ مجھے بھلا نہ لگا وہ اگر نرمی سے بھی کہتے تو مجھے انکار کی مجال کہاں تھی۔ میں اندر گیا تو پندرہ بیس افراد بالٹیاں بھر بھرکرصحن سے پانی باہر گلی میں انڈیل رہے تھے۔ میں نے بھی ایک بالٹی سنبھالی اورکام میں لگ گیا ایک شخص صورت آشنا سا لگا باتوں باتوں میں میں نے اس سے علامہ صاحب کے لہجے کی شکایت کی تو وہ بولا۔ ”میں بھی آپ کی طرح خاکسار نہیں ہوں۔ علامہ صاحب کا صرف محلہ دار ہوں مجھے بھی علامہ صاحب نے بالکل اسی طرح بلایا جیسے وہ خاکساروں کے کسی جیش کو ”کاشن“ دے رہے ہوں مگر مجھے اس لہجہ کا پس منظر معلوم ہے، یہ بہت عظیم آدمی ہے۔ اس کا اصلاح کا

فلسفہ بڑا جاندار، بڑاحقیقت پسندانہ ہے۔ یہ شخص بڑے بڑے عہدے کوٹھکرا کر یہاں ہمارے پاس اچھرے میں آ بیٹھا ہے مگر قوم نے اس کی کما حقہ قدر نہیں کی۔ اس کی تحریک کی خاکی وردی اور اس کے بیلچے کے مفہوم کو نہیں سمجھا یہ جتنا بڑا عالم دین ہے اتنا ہی بڑا ریاضی دان ہے، اتنا ہی بڑا ماہر تعلیم ہے، اتنا ہی بڑا سائنس دان اور فلسفی ہے اور بحیثیت مجموعی قوم اس کی عظمت اور اہمیت سے بے خبر ہے۔ اس صورت میں اس کے لہجہ میں تلخی کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے اس لہجے میں نرمی ہم لوگ ہی پیدا کرسکتے ہیں کہ اس کے پیغام کوسمجھیں اور جو راہ پخار اس نے اپنے لئے منتخب کی ہے۔ اس پر اسی کے ہم قدم چلیں اور یوں صدیوں کے جسمانی اور ذہنی اور روحانی جمود اور پوست کے خولوں کو توڑ ڈالیں اور سیدھے سادے اور آسان مذہب کے سچے اور اچھے پیرو بن جائیں۔
کیا تم نے ”تذکرہ“ پڑھا ہے؟

سراسر عمل‘سراسر جہاد

میں نے”تذکرہ“ نہیں پڑھا تھا، سو اس شخص نے مجھے علامہ صاحب کیی یہ تصنیف پڑھنے کی ترغیب دی تب میں نے اسے پڑھا اور مجھ پر انکشاف ہوا کہ علامہؒ صاحب تو بے حد دو ٹوک قسم کے انسان ہیں کوئی لگی لپٹی اٹھا رکھنا انہیں آتا ہی نہیں۔ وہ انگریز ہو یا ہندو یا سرمایہ دار ہو یا ملا ہو یا شاعر ہو یا اخبار نویس ہو وہ سب کے بارے میں سچ کہتے ہیں اور سب کے سامنے سچ کہتے ہیں۔ اتنا سچا اتنا بے ساختہ آدمی کسی نے پہلے کاہے کو دیکھا تھا چنانچہ سب سے بڑی”اے بنار میلٹی“Abnormality ہے۔ تذکرے کے بعد مجھے علامہ صاحب کی جو بھی تحریر ہاتھ لگی اسے پڑھ ڈالا اور میں اس نتیجہ تک پہنچا کہ علامہ صاحب توعمل، سراسر عمل، جہاد، سراسر جہاد کے مبلغ ہیں ان کا فلسفہ حیات جاندار اور قوت بخش ہے شاعری کو انہوں نے محض اس لئے برا کہا کہ جو شاعری بے عملی، انفعالیت، مایوسی اور بے معنویت کا پرچار کرتی ہے وہ یقینا گردن زدنی ہے جب وہ کہتے ہیں کہ:

”ہم توایک مساوی، غیرمتعصبانہ، روا دارانہ مگر غالب نظام قائم کرنا چاہتے ہیں“۔

تواس غیرمبہم اعلان میں انسان کا گزشتہ ڈیڑھ ہزارسال کا تہذیبی اور روحانی اور عمرانی اور مشینی ارتقاء بول رہا ہوتا ہے۔جب وہ فرماتے ہیں کہ:

”اس نظام کی بنیاد نیکی سعی وعمل اور عدل پر ہوگی“۔

تو وہ دراصل صحیح اور سچی قرآنی تعلیم کوعام کر رہے ہوتے ہیں وہ مسلمانوں کے کردار پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

’’مسلمان خدا کی وحدانیت کا ہزار قائل سہی مگر جب وہ کسی ترغیب میں آکر کوئی گناہ کرتا ہے تو توحید کے تصور سے ٹوٹ کر رہ جاتا ہے کیونکہ اس طرح وہ اس جذبے کی پرستش کا بھی مجرم ہے جس نے اسے گناہ پر اکسایا۔ حالانکہ پرستش توصرف خداکی کرنی چاہیے۔ اور خدا لا شریک ہے‘‘۔

اس مقام پرعلامہ مشرقی اور علامہ اقبال کتنے متحد نظر آتے ہیں۔ اقبال کا ارشاد:

باطل دوئی پسند ہے ،حق لاشریک ہے

شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

یہ جتنی کھری باتیں ہیں اوراگر ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی کردار کی مکمل اصلاح چاہتے ہیں تو ان باتوں کو اپنا معیار حیات اور اپنا مقصد حیات تسلیم کرنا ہوگا۔ اس کے بارے میں علامہ مشرقی کے اس ارشاد کو مسلسل عام کرنے کی ضرورت ہے کہ:

’’اسلام تو ایک سادہ اورغیر پچدار مذہب ہے اور چونکہ ارباب غرض نے اسے پچدار بنا دا ہے اسی لئے اس کے احکام پرعمل رسمی ہو کر رہ گیا ہے‘‘۔

اسی طرح حکومت کے بارے میں علامہؒ صاحب کی یہ کسوٹی کتنی سادہ مگر سچی ہے کہ:

’’کسی ملک کی حکومت کے اچھا ہونے کا معیار اس ملک کے عوام کی خوش حالی ہے‘‘۔

سوچنے کی ٹیس

یہ سب کچھ کہنے کے بعد جب حضرت علامہ مشرقی یہ کہتے ہیں’’کہ میں تو مسلمان میں’’سوچنے کی ٹیس‘‘ پیدا کرنا چاہتا ہوں، تو ان سیدھے سادے الفاظ میں کتنا درد کتنا خلوص ہے۔ مثبت اور ارتقائی انقلاب انہیں قوموں کے ہاں رونما ہوتے ہیں جن کے افراد کے دل ودماغ سوچنے کی ٹیس سے آشنا ہوں۔ آج علامہ صاحب زندہ ہوتے تو میں کسی نہ کسی طرح ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی جرات کر کے یہ عرض کرنے کی جسارت ضرور کرتا کہ اس ملک کے بہت سے شاعروں، بہت سے ادیبوں اور بہت سے اہل قلم کا کل سرمایہ یہی’’سوچنے کی ٹیس‘‘ ہی تو

ہے۔ انتقال سے بارہ برس پہلے علامہ مشرقی نے دنیا بھر کے سائنس دانوں کو ہمہ گیرانسانی فلاح وبہبود کی خاطر، قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق تسخیرکائنات کا جو پیغام بھیجا تھا وہ میرے نزدیک جدید علوم کے جرات مندانہ استعمال کا ایک شہ پارہ ہے۔ یہ پیغام ''انسانی مسئلہ'' کے نام سے پمفلٹ کی صورت میں اشاعت پذیر ہوچکا ہے اس میں انسانی عظمت کا اعلان اتنے تیقن سے کیا گیا ہے اورخلا کی تسخیر کے سلسلے میں ایسے عالمانہ اور ماہرانہ اشارے دیئے گئے ہیں کہ علامہ صاحب کے فکر کی رسائی پر حیرت ہوتی ہے۔ خلاؤں کو تسخیر کرنے والے اگرعلامہ صاحب کی اس تحریر کو اپنا منشور بنا لیں تو وہ چاند اور مریخ پر سے کرہ ارض پر موت کی شاعیں ڈالنے کی خدشات ظاہر کئے جارہے ہیں ان کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ کسی کا کہنا ہے کہ بڑی قومیں وہی ہوتی ہیں جو اپنے بڑوں کو یاد کرتی ہیں اور اپنے عمل سے ان یادوں کو تازہ رکھتی ہیں۔ میں اس امر پر اظہار مسرت کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ پاکستانی قوم بھی ایک بڑی قوم ہونے کے ثبوت فراہم کرنے لگی ہے۔

Al-Islah, Lahore, August 23-29, 1994, p. 15-18